ذبح عظیم

عیدالاضحیٰ کا سارا فلسفہ، ذبح پسر، بدست پدر میں پایا گیا ہے جسے قرآن مجید میں ذبح عظیم کا عظیم الشان نام و مقام دیا گیا ہے۔ آغاز اس امتحان کا عقیدہ توحید باری تعالیٰ کی جانچ پڑتال سے ہوا جس میں پسر نے خانہ پدری کو چھوڑ کر، کامیابی حاصل کی اور ثابت کر دیا کہ وہ دولتِ توحید پر باپ کی شفقت و محبت سمیت ہر دولت اور نعمت نچھاور کر سکتا ہے۔ آگے آنے والے امتحانات میں کامیابی دراصل اسی توحیدی طاقت میں مضمر تھی جو خانہ پدری کو تج دینے میں دکھائی تھی جو آگے چل کر پسر کی رضائے الٰہیہ پر قربانی میں آئی تھی۔ پھر اس سے پہلے شجر حیات کے سب سے میٹھے ثمر اسماعیل علیہ السلام کو اس کی والدہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ کی ﴿واد غیر ذی زرع﴾ ''بے آب و گیاہ وادی'' میں بٹھا آنے میں دکھائی تھی۔

یہ محیر العقول کارنامے قوتِ توحید کے مظاہر تھے۔ یہ اس اعتبار سے فقید المثال تھے کہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد کسی فانی انسان سے یہ دل دہلا دینے والے مطالبات نہ کیے گئے۔ اللہ احکم الحاکمین جانتے تھے کہ اس نے ابراہیم علیہ السلام سا کوئی دوسرا اولوالعزم پیدا ہی نہیں فرمایا تو کسی دوسرے سے وہ مطالبات کرنا بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔ میں نے کئی بار ایسا دیکھا اور سنا ہے کہ باپ ڈوبتے بیٹوں کو بچانے کیلئے بپھرے دریاؤں میں کود گئے، انہیں بچا گئے مگر خود ڈوب گئے۔ جلتے ہوئے مکانوں سے اپنے بچوں کو نکالنے کے لیے کئی مائیں نارسوزاں میں کود گئیں۔ اپنے لختِ جگر کو نکال لائیں مگر خود کباب ہو کر مر گئیں لیکن یہ کبھی سنا، نہ دیکھا کہ کسی باپ یا ماں نے، کسی بڑے سے بڑے مقدس مقصد پر اپنے ہاتھ سے اپنے پسر کی گردن پر چھری چلائی ہو۔ نارِ نمرود کو اگر خانہ سوزاں اور دریائے پرشور فرض کر لیں تو ان میں کود جانا، والدین کیلئے آسان ہوا مگر، سوائے ابراہیم کے کسی کیلئے اپنے اسماعیل کی رگِ حیات پر چھری چلا دینا ممکن نہ ہوا۔

اتنی بے مثال قربانی کا مطالبہ کرنے سے پہلے اللہ احکم الحاکمین نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو نارِ نمرود میں ڈال کر کندن بنا لیا تھا۔ جی ہاں، ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دو بار شقِ صدر کر کے انہیں زرناب بنایا

گیا تھا جبکہ ابراہیم علیہ السلام کا بالعمد، نمرودی جہنم زار میں چھلانگ لگا دینا، ان کا ذاتی کارنامہ تھا۔ یہاں سے ہم یہ سبق لیتے، پڑھتے اور پڑھاتے ہیں کہ آزمائش کی اس کڑی گھڑی میں جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور کسی مدد کا پوچھا تو جواب میں اس پر یہ سوال کر دیا کہ بتاؤ خود آئے ہو کہ اللہ نے بھیجا ہے اور جب یہ جواب ملا کہ خود آئے ہیں تو فرمایا کہ ہم غیر اللہ سے استمداد، اگر کر سکتے تو اس آگ کے کنارے پر کیوں پہنچا دیئے جاتے۔ غیر اللہ سے استمداد کا معاملہ ہی تو اصل تنازعہ ہے جس کا فیصلہ کرنے کیلئے ہم نے بتکدہ کے بتوں کو توڑا، خانہ پدری کو چھوڑا اور نارِ حاطمہ میں کود جانے اور اس میں جل مرنے کا ارادہ کیا۔ عقیدہ استمداد باللہ پر یہ استقامت جانچ لینے کے بعد ہی اللہ رحمٰن و رحیم نے بھڑکتی ہوئی آگ کو ابراہیم علیہ السلام پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جانے کا براہِ راست حکم دیا تھا۔ ذبح پسر کا حکم بھی اسی عقیدہ کی جانچ پڑتال کا ایک طریقہ تھا، یہ اخلاص و جانثاری اور فرمانبرداری کا امتحان تھا۔ دیکھنا اور بتانا یہ مقصود تھا کہ ایک شاکر و صابر ابراہیم علیہ السلام کیلئے اس اسماعیل علیہ السلام عطا کرنے والے اس رب کی رضا پر قربان کرتے ہیں جس سے رو رو کر اسماعیل پایا تھا۔ یہاں سے یہ بھید کھلتا ہے اولاد صرف اللہ سے ہی مانگی جاتی ہے۔

قرآن نے اس دعائے خلیل کو یوں بیان فرمایا ﴿رب لا تذرنی فرداً و أنت خیر الوارثین﴾ اس دور میں بھی شاہدولہ دربار، داتا دربار، سخی سرور دربار، لال شاہ آف مری اور بری امام کے مختلف ناموں سے موجود تھے مگر ابراہیم علیہ السلام نے، اسماعیل صرف اور صرف اللہ سے مانگا اور پایا۔ دوسرا سبق یہ ملا کہ راضی برضا رہنے کا مفہوم یہ ہے کہ رضائے الٰہیہ پر اسماعیل جیسے غلام حلیم کو جسے اسی (80) سالہ ضعیفی کا عصا بنایا تھا اور بارگاہِ قدس سے رو رو کر پایا تھا، اگر مرضی مولا پر ذبح کر دینے کا وقت آ جائے تو بلا تردد و تاخیر، بہ طیب خاطر، ذبح کر دیا جائے۔

بھلا، چشم تصور میں وہ لمحات بھی لایئے جب باپ اور بیٹا، میں یہ مکالمہ ہو رہا تھا۔ اے اسماعیل! میرا اللہ مجھ سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس کی رضا پر تجھے ذبح کر دوں، تو تیرا کیا خیال ہے؟ اسماعیل کا جواب قرآن نے بیٹوں کی حکم برداری اور فرمانبرداری کیلئے ہمیشہ کیلئے محفوظ کر دیا: اے ابا جی! وہ کر گزریئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ آپ مجھے صابر و شاکر پائیں گے۔ پھر وہ قیامت خیز گھڑیاں بھی گنیے جن میں ارض و سما کی

مخلوق پر سکتہ طاری ہوگیا تھا۔ وقت کی نبض تھم گئی تھی۔ باپ بیٹے کو پہلو کے بل لٹا چکا تھا۔ چھری کی تیز دھاری کو اس کے معصوم حلقوم پر رکھ چکا تھا تو بارگاہِ قدس سے جبرائیل علیہ السلام کو حکم جاری ہوا۔ جنت کا پروردہ دنبہ پکڑو، شتابی کرنا، کہیں میرے اسماعیل علیہ السلام کی گردن نہ کٹ جائے۔ چھری کے نیچے سے اس حلقوم معصوم کو اس مہارت سے نکالنا اور اس کی جگہ دُنبے کی گردن رکھ دینا کہ باپ کو جس نے اپنی آنکھوں پر اس خیال سے پٹی باندھ رکھی تھی کہ مبادا شفقتِ پدری، بیٹے کا معصوم چہرہ دیکھ کر جوش مارے اور چھری پر اس کی گرفت کمزور ہو جائے، پتہ بھی نہ چلے اور وہ اپنے خیال میں اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہا ہو۔ پھر جب دربارِ حق سے ﴿قد صدّقت الرؤیا﴾ کی تحسین سنے اور پٹی کھولے تو اپنے لختِ جگر کو تمتماتے چہرہ کے ساتھ زندہ سلامت دیکھے تو سجدے میں رکھ کر شکر بجالائے۔ سو قربانی کا فلسفہ، بوقت ضرورت اپنے عزیز ترین دولت کی قربانی ہے۔

قارئین کرام! عیدالاضحیٰ اس ذبحِ عظیم کی ابراہیمی سنت کو ابراہیمی اخلاص و فرماں برداری کی یاد تازہ کرنے کیلئے مقرر کی گئی ہے۔ شکر بجالائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اب امتحانِ اخلاص کا یہ انداز ہمیشہ کیلئے موقوف کر دیا ہے مگر آزمائش کے نئے انداز مقرر کر دیئے ہیں۔ مسلمان باپ اور مائیں، دفاعِ اسلام کی خاطر تا قیامت اپنے جوان رعنا بیٹوں کو میدان جہاد میں بھیجتی رہیں گی۔ ہاں یہاں یہ ضرور یاد رکھنا کہ جہاد صرف ریاست کرتی ہے۔ چرم قربانی پر لڑنے، مرنے اور جھپٹنے والے گروہ اور جہاد کے نام پر ارض اسلام پاکستان کو برباد کرنے والے عناصر، جہاد نہیں، بلکہ فساد کرتے ہیں۔

قربانی کا فلسفہ قرآن نے خود بیان کر دیا ہے۔ ہم اس میں کیا اضافہ کر سکتے ہیں۔ گوشت تو ہم تم خود کھاتے ہیں۔ اللہ اس قربانی کے پیچھے ہمارے تمہارے اخلاص نیت اور تقویٰ کو دیکھے گا۔ مگر ہائے افسوس! دورِ حاضر کے شیخ الاسلام، عمرے کے ٹکٹ کی لاٹری کا لالچ دے کر قربانی کی کھالوں پر ڈاکا ڈالتے ہیں۔ لاٹری اسلام میں حرام ہے جس سے یہ ساری کھالیں حرام ہو جاتی ہیں اور سرے سے قربانی ہی باطل ہو جاتی ہے۔

قربانی کا گوشت یا کھال، کسی بھی اسلامی خدمت، مسجد کی امامت، خدمت، تعمیر اور حق موذن و مسافر کے صلے میں نہیں دی جاسکتی۔ ہاں، ایسے اسلامی درس، جن میں دور دراز علاقوں کے نادار طلباء تعلیم پاتے اور ادارے ان کے اخراجات اٹھاتے ہیں، وہ بدرجہ اولی چرم قربانی کے حقدار ہیں اور ان میں جامعہ علوم اثریہ جہلم سرفہرست ہے۔